سکندر جناح معاہدہ ۱۹۳۷ء

اور پنجاب کی مسلم سیاست پر اُس کے اثرات

محمد اعظم چوہدری*

ABSTRACT:

After Provincial Elections 1937 Congress Muslim mass contact endangered British Raj and solidarity of Muslim minority. So British Government persuaded Sir Sikander Hayat through Sir Henry Craik to strengthen Jinnah so that Congress pressure could be stopped Sikander, Jinnah Agreement (1937) is a strong step taken to weak Congress.

Muslim League got importance equal to Congress and more than Unionist Party after begining of 2nd world War (1939-45) Sikander became helpless in Muslim League Council and its working committee after acceptance of Pakistan Resolution (1940). Sikander was badly, criticised and ousted from Muslim League. He died suddenly on 26th December 1942 before taking any action against it.

Sikander's Deputy Khizar Hayat was a traditional Punjabi landlord than a pratical politician. He agreed to make a new agreement to keep Unionist Colliation but Punjab's tribal wire pulling and League's emotional members did not make it successful. Jinnah tried to convince Khizar to be member of Muslim League Ministry instead of Unionist Ministry but Khizar did not agree so that Quaid expelled Khizar from League on 27th May 1944. Jinnah's stick and carrot policy made him successful than Khizar.

صوبائی خودمختاری کے ایکٹ (۱۹۳۵ء) کے تحت پہلے صوبائی انتخابات ۱۹۳۷ء کے آغاز پر ہوئے۔ اِن انتخابات میں کانگریس نے ہندوستان کے گیارہ میں سے چھ صوبوں (مدراس، بمبئی، یوپی، سی پی، بہار اور اڑیسہ) میں شاندار کامیابی حاصل کی اور پارلیمانی جمہوری اصول کے مطابق اِن صوبوں میں خالص کانگریس وزارتیں تشکیل دیں۔ مسلم اکثریتی صوبے خیبر پختونخوا میں خدائی خدمت گاروں (سرخ پوشوں) کے قائد ڈاکٹر خان (عبدالجبار) نے پرو کانگریس وزارت تشکیل دی۔ پنجاب میں یونینسٹ پارٹی کے قائد سر سکندر حیات خان، سندھ میں یونائیٹڈ پارٹی (مسلم) کے قائد غلام حسین ہدایت اللہ، بنگال میں کرشک شرمک پرجا پارٹی کے قائد اے کے فضل الحق اور آسام میں آزاد کانگریس کے قائد سر محمد سعداللہ نے مخلوط وزارتیں قائم کیں۔ ڈاکٹر بنی پرشاد نے کانگریس کی حکمتِ عملی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

* ڈاکٹر، پروفیسر/ چیئرمین شعبۂ سیاسیات، وفاقی اردو یونیورسٹی، کراچی، برقی پتا: drazamchaudhary@gmail.com
تاریخ موصولہ: ۲۳ مارچ ۲۰۱۳ء

''۱۹۳۷ء میں جب کانگریس نے ہندو اکثریت کے بل بوتے پر خالص کانگریس وزارتیں تشکیل دیں اور اِس کے ساتھ 'مسلم عوام سے رابطہ' (Muslim Mass Contact) پیدا کرنے کے لیے مہم چلائی تو مسلمانوں کو صاف نظر آنے لگا کہ آئندہ فیڈریشن میں بھی وہ بالکل بے دست و پا ہو کر رہ جائیں گے۔ اِس صورتحال نے مسلمان قوم میں ایک سخت ہیجان واضطراب پیدا کر دیا تھا۔ یہ گویا لیگ کے لیے آزمائش کی گھڑی تھی۔ لیگ نے کانگریس کے اِس چیلنج کو، جو اِس کے نزدیک تکبر وغرور اور نشۂ اقتدار کا نتیجہ تھا، بخوشی قبول کر لیا۔ لیگ نے مسلمانوں کو ایک پرچم تلے جمع کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس نے مسلمانوں کی واحد جماعت ہونے کا دعویٰ کیا اور کانگریس کو ایک ہندو جماعت قرار دیا۔''(۱)

پنجاب میں لیگ ایک نئے عزم اور ولولے کے سے سرشار ہو کر دیہات میں اپنا اثر ورسوخ بڑھانے کی غرض سی میدانِ عمل میں نکلی، کارکنوں کو پرائمری شاخیں قائم کرنے کے لیے دیہاتوں میں بھیجا گیا اور لیگ کی رکنیت فیس بھی ۲۰ روپے سے کم کر کے صرف چار آنے کر دی گئی (۲)۔ تاکہ دیہاتوں میں رہنے والے عام لوگ بھی اِس کے رکن بن سکیں۔ ۱۹۳۷ء کے موسمِ گرما میں شروع کی جانے والی رکنیت سازی کی یہ مہم خاصی کامیاب رہی۔ لیکن سکندر جناح معاہدہ (اکتوبر ۱۹۳۷ء) کے بعد اِسے روک دیا گیا اور سات سال تک اِسے دوبارہ شروع نہیں کیا گیا۔ اس تمام عرصے میں مسلم لیگ کا پنجاب کے دیہاتوں میں اثر ورسوخ نہ ہونے کے برابر رہا اور وہاں مکمل طور پر یونینسٹ پارٹی چھائی رہی۔ یونینسٹوں کے اِس غلبے میں سکندر جناح معاہدے کا بھی حصہ تھا۔

آل انڈیا مسلم لیگ کا ۲۵واں سالانہ اجلاس ۱۵ تا ۱۸/ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو محمود آباد ہاؤس لکھنؤ میں منعقد ہوا (۳)۔ لیگ کی تنظیمِ نو میں اِس اجلاس نے اہم کردار ادا کیا۔ اِس موقع پر مولانا ظفر علی خاں نے اپنی جماعت اتحادِ ملت کو لیگ میں ضم کر دیا۔ مولانا شوکت علی اور مولانا حسرت موہانی بھی لیگ میں شامل ہو گئے۔ مولانا حسرت موہانی کی وجہ سے اِس موقع پر مسلم لیگ نے کامل آزادی کی قرارداد بھی منظور کی (۴)۔ پنجاب، سندھ، بنگال اور آسام کے وزراءاعلیٰ بھی اجلاس میں شریک ہوئے۔ اِس اجلاس کے موقع پر سکندر اور جناح کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس میں راجہ غضنفر علی خان نے رابطے کا کام کیا۔ راجہ صاحب ۱۴/ اکتوبر کی رات کو اِس معاہدے کی دو کاپیاں لے کر جناح کے پاس گئے۔ ان میں سے ایک کاپی پر دستخط کر کے محمد علی جناح نے واپس کر دی اور دوسری اپنے پاس رکھ لی، جس پر سر سکندر حیات کے دستخط تھے (۵)۔ دوسرے دن آل انڈیا مسلم لیگ کونسل نے زبردست تالیوں کی گونج میں اِس معاہدے کی توثیق کی۔ اس موقع پر مولانا ظفر علی خاں نے ایک فی البدیہہ نظم سنائی۔ جس کا یہ شعر گویا حاصل ارتجال تھا: (۶)

سکندر اور جناح قوم کی آنکھوں کے ستارے
کہ اِن کو دیکھ لینے ہی سے ایمان تازہ ہوتا ہے

چوہدری خلیق الزماں، جو لکھنؤ اجلاس کے روحِ رواں تھے، اس معاہدے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اگر پنجاب سے سکندر حیات اور بنگال سے فضل الحق مسلم لیگ کی تائید کے لیے نہ آئے ہوتے اور اس کی مکمل حمایت کے لیے کھڑے نہ ہو گئے ہوتے تو اقلیتی صوبوں کے مسلمان یہ لڑائی نہیں لڑ سکتے تھے۔ اِن دونوں نے مسلم اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کا ساتھ دے کر ہندوستان کا سارا سیاسی نقشہ بدل دیا۔''(۷)

سکندر جناح معاہدہ کے متن کو مسلم لیگ کونسل نے توثیق کے بعد شائع کر دیا تھا۔ تقریباً سات سال بعد، اپریل ۱۹۴۴ء میں اِس معاہدے کی تعبیر میں اختلافات پیدا ہوئے۔ معاہدہ کا متن حسبِ ذیل ہے:(۸)

الف) پنجاب واپس پہنچ کر سکندر حیات اپنی پارٹی کا ایک خصوصی اجلاس بلائیں گے اور پارٹی کے مسلمان ارکان کو، جو اَب تک مسلم لیگ کے رکن نہیں بنے ہیں، اُنہیں مسلم لیگ کا رکن بننے کی ہدایت فرمائیں گے۔ اِس طرح وہ ''پنجاب مسلم لیگ اسمبلی پارٹی'' کا حصہ بن جائیں گے، جو آل انڈیا مسلم لیگ کے مرکزی اور صوبائی پارلیمانی بورڈوں کے تابع ہوگی۔ یہ عمل بہرحال یونینسٹ پارٹی کی موجودہ مخلوط وزارت (کولیشن) پر اثر انداز نہیں ہوگا۔

ب) یہ معاہدہ قبول کر لینے کے بعد آئندہ ہونے والے عام اور ضمنی انتخابات میں مسلم لیگ اور یونینسٹ پارٹی امیدواروں کی مشترکہ اور متحدہ طور پر تائید کریں گی۔

ج) پنجاب اسمبلی کے وہ مسلم ارکان جو مسلم لیگ کے ٹکٹ پر منتخب ہوئے یا اب مسلم لیگ کی رکنیت قبول کرتے ہیں، وہ اسمبلی کے اندر پنجاب مسلم لیگ کے رکن تصور ہوں گے۔ پنجاب مسلم لیگ اس بات کی مجاز ہوگی کہ وہ آل انڈیا مسلم لیگ کی سیاسی پالیسی اور پروگرام کے بنیادی اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کسی دوسری پارٹی سے تعاون یا اتحاد کرے۔ اس قسم کا اتحاد یا تعاون انتخابات سے پہلے یا بعد میں کیا جا سکتا ہے۔ نیز موجودہ گروپ بدستور اپنا نام ''یونینسٹ پارٹی'' برقرار رکھے گا۔

د) مذکورہ انتظام کے پیشِ نظر صوبائی پارلیمانی بورڈ از سرِ نو تشکیل دیا جائے گا۔

بلاشبہ اِس معاہدے کا پورے ملک کے مسلمانوں نے پُرجوش خیر مقدم کیا۔ لیکن پنجاب بھر میں پکے یونینسٹوں (ہندو، مسلم اور سکھ) نے اِس معاہدے کے خلاف سخت اودھم مچایا۔ اِن رائے دہندگان نے بھی جنہوں نے مسلم لیگ کے امیدواروں کو شکست دی تھی، بے چینی کا اظہار کیا۔ وہ جاننا چاہتے تھے کہ سکندر حیات نے خود کو اور پارٹی کو لیگ کے ہاتھوں کیونکر بیچ دیا ہے۔ لیگ بحیثیت تنظیم کے پنجاب میں اپنا وجود نہیں رکھتی تھی۔ دیہی علاقوں میں اِس کی حیثیت صفر سے زیادہ نہیں تھی۔ یہ تو چند ماہ قبل انتخابات کے موقع پر جب جناح صاحب لاہور آئے تو دو سو سامعین بھی جمع نہیں کر سکی تھی(۹)۔ صوبائی انتخابات کے بعد لیگ ایک زائل شدہ طاقت تھی۔ مسلم اکثریت صوبوں میں اس کی کہیں حکومت نہ تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے باوجود سکندر حیات نے اس معاہدے پر دستخط کیوں کیے۔ مسلم لیگی دانشور ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی لکھتے

ہیں کہ یہ معاہدہ بڑا مبہم، غیر واضح اور گومگوں کا تھا، جس میں نہ مسلم لیگ کی حیثیت واضح کی گئی تھی اور نہ ہی یونینسٹ پارٹی کا موقف کھل کر بیان کیا گیا تھا۔سکندر حیات اپنی جگہ خوش تھے کہ انہیں کانگریس کے مقابلے میں آل انڈیا مسلم لیگ کی حمایت حاصل ہوگئی ہے اوراب کانگریس اپنی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے یونینسٹ پارٹی کے مسلمان ارکان کو برگشتہ نہیں کر سکے گی۔اُدھر محمد علی جناح اپنی جگہ مطمئن تھے کہ پنجاب کا وزیرِ اعلیٰ مسلم لیگ میں شامل ہوگیا ہے۔لہٰذا لیگ کی نمائندہ حیثیت مسلمہ ہوگئی ہے۔کانگریس، جو محمد علی جناح کو بار بار طعنہ دیتی تھی کہ مسلم اکثریتی صوبوں میں تو لیگ کو کوئی پوچھتا نہیں، یہ صرف مسلم اقلیتی صوبوں کا شوروغوغا ہے۔اس طعنے کا بہترین جواب یہی تھا کہ پنجاب اور بنگال کے وزراءِ اعلیٰ جناح کو اپنا لیڈر تسلیم کرلیں۔چنانچہ لکھنؤ اجلاس میں فضل الحق اور محمد سعداللہ نے بھی شرکت کی۔''(۱۰)

پروفیسر کوپ لینڈ نے اس بات کی تائید اِن الفاظ میں کی ہے:

''اِن تینوں وزراءِ اعلیٰ کی شرکت نے لیگ کی زندگی میں جو روح پھونکی، وہ تمام پُر جوش تقریروں سے زیادہ تھی۔محمد علی جناح کا شمار اگرچہ ہمیشہ ہندوستان کے صفِ اوّل کے رہنماؤں میں ہوتا ہے، لیکن اُنہیں اب تک اپنی قوم کی مجموعی اور غیر مشروط تائید کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی۔انہیں بائیں بازو کے حامی (Leftist) مسلمانوں کا ایک ایسا رہنما خیال کیا جاتا تھا، جو برطانوی اقتدار کا سخت مخالف اور ہندی قومیت کا بے خوف علمبردار تھا اور ان ہی خصائص کی بنا پر قدامت پسند انہیں کانگریس کا حامی سمجھتے تھے۔لیکن اب محمد علی جناح کی حیثیت یہ نہیں رہی تھی، بلکہ وہ پوری مسلمان قوم کے واحد ترجمان بن گئے تھے۔''(۱۱)

ایک شہادت یہ بھی پائی جاتی ہے کہ سکندر حیات اس معاہدے پر دستخط کرنے کے لیے اپنے استعماری آقاؤں کے اشارے پر لکھنؤ گئے تھے۔حکومتِ عالیہ کو کمزور محمد علی جناح اور نیم جان مسلم لیگ کا احیا مقصود تھا۔برطانوی حکومت نے متحدہ پنجاب کے ایک سول سرونٹ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن اور حال ہوم ممبر حکومت ہند (منسٹر کو تب ممبر کہا جاتا تھا) سر ہنری کرائیک (Sir Henry Craik) کی معرفت سکندر حیات کو آمادہ کیا کہ وہ محمد علی جناح کے ہاتھ مضبوط کریں، تاکہ کانگریس کے بڑھتے ہوئے دباؤ کو روکا جاسکے۔صرف لیگ ہی کانگریس کی راہ میں رکاوٹ بن کر ہندوستان میں شاہ کے اقتدار کو طوالت بخش سکتی تھی۔(۱۲)

اُس دور کے وقائع نگار اور بعد کے مورخین اِس بات پر متفق ہیں کہ سکندر حیات کا مسلم لیگ میں جانے کا مقصد امپیریل حکومت کے اشارے پر محمد علی جناح کے ہاتھ مضبوط کرنے کے علاوہ کچھ اور بھی تھا۔انتخابات کے بعد لیگ پنجابی مسلمانوں کے درمیانے طبقے میں ایک مسلم ترجمان کی حیثیت سے مقبول ہورہی تھی اور اِس بات کا اندیشہ تھا کہ کم از کم ۲۵ فیصد یونینسٹ مسلمان لیگ میں شمولیت اختیار کرلیں گے۔چنانچہ سکندر حیات نے اِن ارکان کی اہمیت کو زائل کرنے کے لیے قومی سطح پر مسلم لیگ میں شامل ہوکر مسلم مفادات کے تحفظ کی آواز اٹھائی (۱۳)۔کانگریس کو تنقید کا نشانہ بنایا (۱۴)۔حاصل

کلام یہ ہے کہ سکندر حیات یونینسٹ پارٹی کے منشور کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے استعماری آقاؤں کی خواہش اور یونینسٹ پارٹی کے مسلم فرقہ پرست دھڑے کی اہمیت کو ختم کرنے کے لیے لکھنؤ گئے اور معاہدے پر دستخط کیے۔ سکندر حیات جانتے تھے کہ اس عمل سے قومی سطح پر لیگ کا وقار ضرور بڑھے گا، لیکن پنجاب میں وہ لیگ کو کنٹرول کر لیں گے۔ نیز ہندو اور سکھ احتجاج کرنے کے سوا کچھ نہیں کریں گے۔ سکندر حیات کے اس عمل کو پنجابی سیاست کی ایک خصوصیت کہا جا سکتا ہے۔

اِن ہی دنوں پنڈت نہرو کی ایما پر کانگریس نے ''مسلم عوام سے رابطہ مہم'' شروع کی تھی۔ اِس نے لیگ کے قائدین، خصوصاً محمد علی جناح کی خفگی میں اضافہ کر دیا۔ لیگ کے قائدین نے جواباً مسلم قوم پرستی کا پروپیگنڈا شروع کیا تا کہ سب مسلمان ایک پرچم تلے اور ایک قائد کے پیچھے جمع ہو جائیں۔ ضرورت کے عین مطابق مسلم لیگیوں نے محمد علی جناح کو مسلمانوں کی شان و شوکت کا مجسمہ اور ایسا دلاور جنگجو بنا کر پیش کیا جس کی آنکھیں کانگریس کی پالیسی نے کھول دی تھیں۔ محمد علی جناح تیزی کے ساتھ قائد اعظم بنتے جا رہے تھے۔ انہوں نے مسلم رائے عامہ کے رجحان اور اپنے آئندہ کے لائحہ عمل میں اپنے مغربی سوٹ کو شیروانی پاجامہ اور سیاہ سموری ٹوپی کے ذریعے تبدیل کیا۔ مسلمانوں کے اجتماعات سے دلچسپی بڑھائی اور ایک شخص جو ہمیشہ سادہ رہنا اور مرنا چاہتا تھا، اُس نے قائد اعظم (عظیم قائد) کہلائے جانے کو ترجیح دی جو تقریباً مہاتما (عظیم روح) کا ہم پلہ تھا۔ (۱۵)

سکندر کا پنجاب مسلم لیگ پر قبضہ

۲۲ / اکتوبر ۱۹۳۷ء کو پنجاب مسلم لیگ کے سیکرٹری غلام رسول خاں نے سکندر حیات کی خدمت میں مسلم لیگ کے رکنیت فارم اس درخواست کے ساتھ ارسال کیے کہ یونینسٹ پارٹی کے مسلمان ارکان سے ان پر دستخط کروائے جائیں۔ مگر سکندر حیات نے لیگ کے آئندہ اجلاس تک، جو اپریل ۱۹۳۸ء کو کلکتہ میں ہونا تھا، اِسے مؤخر کر دیا اور ۳۱ / اکتوبر کو سکندر جناح معاہدہ کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ اقبال صدر پنجاب مسلم لیگ سے کہا:

''اِس معاہدے کے تحت جناح صاحب اِس بات پر رضامند ہو گئے ہیں کہ صوبائی پارلیمانی بورڈ یونینسٹ پارٹی کی نگرانی میں کام کرے گا اور اس بنا پر میرا مطالبہ ہے کہ بورڈ میں یونینسٹ پارٹی کی اکثریت ہونی چاہیے۔'' (۱۶)

علاوہ ازیں پنجاب مسلم لیگ کی تنظیم کے لیے ایک تنظیمی کمیٹی بنائی جائے گی، جس کے سربراہ سکندر حیات ہوں گے اور اِس میں بھی یونینسٹ ارکان کی اکثریت ہو گی۔ علامہ اقبال نے یکم نومبر اور ۱۰ / نومبر کو خط لکھ کر اس معاملے کی وضاحت چاہی، لیکن جناح صاحب نے اِن خطوط کا کوئی جواب نہ دیا۔ (۱۷)

علامہ یہ وضاحت اس لیے بھی چاہ رہے تھے کہ پنجاب صوبائی مسلم لیگ کونسل، جس کا کام پنجاب مسلم لیگ کی تنظیمِ نو اور نئی شاخیں قائم کرنا تھا، اُس کے سربراہ علامہ اقبال تھے۔

۱۸اور ۱۹/اپریل ۱۹۳۸ء کو کلکتہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کا خصوصی اجلاس مسجد شہید گنج کے مسئلے پر غور کرنے کے لیے جناح صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں علامہ اقبال اور اُن کے ساتھیوں پر سر سکندر حیات کو ترجیح دی گئی۔ قائداعظم نے سکندر حیات کی سربراہی میں ۳۵/افراد پر مشتمل کمیٹی بنائی، جس میں ۲۵/افراد یونینسٹ پارٹی کے اور علامہ اقبال سمیت ۱۰/افراد مسلم لیگ کے شامل کیے گئے۔ پنجاب مسلم لیگ کے ارکان اس فیصلے سے مطمئن نہیں تھے۔ لیکن جب ملک برکت علی کی سربراہی میں مسلم لیگ کا وفد ۲۱/اپریل کی شام کو لاہور پہنچا تو علامہ اقبال اس جہانِ فانی سے رحلت فرما چکے تھے۔ بقول ڈاکٹر بٹالوی اگر علامہ اقبال زندہ رہتے تو عین ممکن تھا کہ قائداعظم کے ساتھ ان کے اختلافات نمایاں صورت اختیار کر جاتے۔ (۱۸)

نئی تنظیمی کمیٹی سے سکندر حیات اس پوزیشن میں آ گئے کہ جب مسلم لیگ کی نئی منتظمہ تشکیل پائے گی، وہ سکندر حیات کے کنٹرول میں ہوگی۔ دسمبر ۱۹۳۸ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے پٹنہ اجلاس میں بھی ملک برکت علی نے ایک قرارداد کے ذریعے اپنے اضطراب اور عدم اطمینانی کا اظہار کیا۔ لیکن جناح صاحب یونینسٹوں کو نالاں نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے انہوں نے مداخلت کر کے ملک برکت علی کو قرارداد واپس لینے پر مجبور کیا(۱۹)۔ سکندر حیات نے اپنے تنظیمی اختیارات کے تحت نومبر ۱۹۳۹ء پنجاب مسلم لیگ کی تنظیمِ نو کا اعلان کیا۔ عہدیداران کے اسماء گرامی حسبِ ذیل تھے:

۱) نواب شاہنواز خان ممدوٹ (صدر)

۲) میاں رمضان علی (معتمد)

۳) میاں امیرالدین (معتمد مالیات)

۳) سیر محمد علی جعفری (معتمد تنظیم)

یہ تمام حضرات سکندر حیات کے انتہائی وفادار اور پکے یونینسٹ تھے۔ مسلم لیگی کارکنوں کے لیے اِن لوگوں کا لیگ کے عہدیداران کی حیثیت سے انتخاب قطعاً قابلِ قبول نہ تھا۔ انہوں نے اس بارے میں جناح صاحب سے احتجاج کیا اور مسلم لیگ کی تنظیمِ نو کو ایک دھوکا قرار دیا۔ جب حالات قابو سے باہر ہونے لگے تو جناح صاحب نے بادل نخواستہ تحقیق کا حکم دیا۔ صوبے میں انتہائی مختصر قیام کے بعد تحقیقی کمیٹی کے ارکان نواب اسماعیل خاں، راجہ صاحب محمود آباد اور چوہدری خلیق الزماں نے سکندر کی تخلیق کردہ مسلم لیگ مہر تصدیق ثبت کر دی۔ یہ سکندر حیات کی بہت بڑی فتح تھی اور یہ پنجاب میں یونینسٹ پارٹی کا نقطۂ عروج تھا۔ اس کے دونوں بڑے حریف کانگریس اور مسلم لیگ بے وقعت ہو کر رہ گئے تھے(۲۰)۔ سکندر کو محمد علی جناح سے کیے ہوئے معاہدے کا ثمر مل گیا۔

ملک برکت علی اور دوسرے صوبائی رہنما قطعاً یہ یقین نہیں کر سکتے تھے کہ جناح صاحب مسلم لیگ کو اِس طرح یونینسٹ پارٹی کی جھولی میں ڈال سکتے ہیں۔ اِن کی بے یقینی کی غالباً وجہ یہ تھی کہ وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ کُل ہند کی سیاست میں جناح

صاحب کے لیے سرسکندر کی حمایت کتنی اہم اور ضروری ہے۔ دوسری عالمی جنگ (۱۹۳۹۔۱۹۴۵ء) شروع ہونے سے قبل کانگریس کے مقابلے میں مسلم لیگ کمتر درجے کی سیاسی جماعت تھی۔ البتہ جنگ کے دوران لیگ کا مقام کانگریس کے برابر اور یونینسٹ پارٹی سے بلند ہو گیا۔ نتیجتاً جناح صاحب کو سکندر حیات اور بعد ازاں خضر ٹوانہ کے تعاون کی ضرورت نہ رہی۔

دوسری عالمی جنگ کی حکمتِ عملی پر اختلاف کرتے ہوئے اکتوبر ۱۹۳۹ء میں پنجاب، سندھ اور بنگال کو چھوڑ کر باقی آٹھ صوبوں کی کانگریسی وزارتوں نے استعفیٰ دے دیا۔ لیگ سرکاری حمایت سے فیضیاب ہونے لگی۔ محمد علی جناح نے حالات میں اتفاقیہ طور پر آنے والی اس تبدیلی سے غیر معمولی فائدہ اٹھایا۔ طاقت کا توازن جو سکندر جناح معاہدہ کے بعد واضح طور پر یونینسٹ پارٹی کے حق میں ہو گیا تھا۔ جنگ کے ایام میں اس کا جھکاؤ مسلم لیگ کی طرف ہو گیا۔ قراردادِ پاکستان کی منظوری (۱۹۴۰ء) کے بعد سکندر حیات مسلم لیگ کونسل اور اس کی ورکنگ کمیٹی میں بے یارومددگار ہو گئے۔ اس پر مستزاد یہ کہ سکندر پر بڑھتی ہوئی تنقید کا جناح نے کوئی نوٹس نہ لیا۔ جناح کی اس سرد مہری نے سکندر کو پریشان کر دیا اور اس نے پہلی مرتبہ اگست ۱۹۴۰ء میں اور دوسری مرتبہ مارچ ۱۹۴۱ء میں لیگ کو چھوڑنے کی دھمکی دی۔ بالآخر نومبر ۱۹۴۲ء میں محمد علی جناح نے سکندر حیات کو مسلم لیگ کی مجلسِ عاملہ سے نکال باہر کیا(۲۱)۔ اس سے قبل کہ سکندر حیات اس کے جواب میں محمد علی جناح کو پنجاب کے معاملات سے دور رہنے کے لیے کوئی لائحہ عمل تیار کرتے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تیسری ناقابلِ شکست رفیق یعنی تقدیر محمد علی جناح کی طرف دار تھی کہ ۲۶ دسمبر ۱۹۴۲ء کو اچانک سکندر حیات قولنج (Colic) کی درد سے انتقال کر گئے۔ اگلے روز ان کے جسدِ خاکی کو تمام فوجی اور دیگر اعزازات کے ساتھ علامہ اقبال کے مقبرے کے قریب بادشاہی مسجد کے پہلو میں سپردِ خاک کیا گیا۔(۲۲)

سکندر کی وفات کے بعد گورنر پنجاب برٹرینڈ گلانسی کی طرفداری کی وجہ سے ملک خضر حیات خاں ٹوانہ کو وزیرِ اعلیٰ منتخب کر لیا گیا۔ یہ ایک اعلیٰ خاندان کا نوجوان جاگیردار بہت باہمت اور سکندر حیات سے کہیں زیادہ باعزم انسان تھا۔ مگر اسے چند دشواریوں کا سامنا تھا۔ مثلاً جنگ کے دوران فاضل بھرتی کی پالیسی اور راشن سسٹم کی وجہ سے یونینسٹ وزارت کی مقبولیت کم ہو رہی تھی۔ وہ سیاست میں نو وارد تھے جو ٹھیک ۱۹۳۷ء میں قبائلی سیاسی وراثت کی وجہ سے وارد ہوئے۔ وہ نہ تو سکندر جیسی ساکھ رکھتے تھے اور نہ ہی اُن میں اُس حد تک سیاسی صلاحیت اور الحوار کی جاذبیت تھی(۲۳)۔ اس کے باوجود وزیرِ اعلیٰ نے ابتدا اچھی کی۔ اس نے مخالف دھڑے کو مطمئن کرنے کے لیے سکندر حیات کے فرزند اکبر ۲۸ سالہ شوکت حیات کو پبلک ورکس کے وزیر کی حیثیت سے اپنی کابینہ میں شامل کر لیا۔ اس اقدام کو پارٹی میں بالعموم اور کھڑا قبیلے میں بالخصوص بہت سراہا گیا۔ مگر جلد ہی خضر حیات کو ایسا کرنے پر پچھتانا پڑا، کیونکہ شوکت حیات نے اپنی وفاداری تبدیل کر لی اور پاکستان کا مطالبہ کرنے والوں کی صف میں شامل ہو گیا۔ خضر حیات شوکت حیات کی اس بے وفائی کو زندگی بھر نہیں بھولا۔ اس کا خیال تھا کہ ممتاز دولتانہ نے اسے ٹٹی (Stalking Horse) کے طور پر استعمال کیا ہے(۲۴)۔ وزیرِ اعلیٰ کے

صرف تین ماہ ہی پُرسکون گزرے، اس کے بعد یونینسٹ پارٹی میں اختلاف اور لیگ سے رقابت شروع ہوگئی۔

خضر حیات کو مارچ ۱۹۴۳ء میں پہلی بار آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے اجلاس، منعقدہ دہلی میں مدعو کیا گیا اور خضر حیات نے اپنے ساتھیوں، میاں عبدالحیٔ، نواب افتخار ممدوٹ، راجہ غضنفر علی، سید امجد علی اور میاں بشیر احمد کے ہمراہ شرکت کی۔ اِس اجلاس میں خضر کو مولانا عبدالحامد بدایونی کی ایک قرارداد کا سامنا کرنا پڑا کہ ''پنجاب اسمبلی میں مسلمان ارکان الگ سے مسلم لیگ پارٹی بنالیں جو کہ مسلم لیگ کی مرکزی کمان کی منشا کے مطابق کام کرے''۔ خضر حیات نے بڑے مدلل طریقے سے جواب دیتے ہوئے اِس قرارداد کو غیر ضروری قرار دیا اور اپنا مؤقف پیش کرتے ہوئے کہا کہ ''جہاں تک پنجاب اسمبلی کا تعلق ہے، وہاں سکندر حیات محمد علی جناح معاہدہ کی شرائط کی رُو سے مسلم لیگ پارٹی پہلے سے موجود ہے۔ میں آپ حضرات کو یقین دلاتا ہوں کہ میں پارٹی میں نئی روح پھونکنے اور اسے مزید مستحکم کرنے کی پوری کوشش کروں گا تاکہ وہ پنجاب کے مسلمانوں کے لیے سرمایہ بن سکے(۲۵)۔ خضر حیات کی وضاحت کے بعد محمد علی جناح کے کہنے پر محرک نے قرارداد واپس لے لی۔ اس طرح لیگ نے خضر حیات کو یہ موقع دیا کہ وہ اپنے قول کے مطابق پنجاب جا کر اسمبلی میں لیگ کو فعال بنائیں''۔ ایوان میں صرف ایک شخص ملک علی تھا جو اوّل تا آخر لیگ کا پرچم اٹھائے ہوئے تھا۔ اب اقتدار کی کشمکش میں ایک گروہ نے اپنے مقصد کے لیے لیگ کا نام لینا شروع کر دیا تھا۔ اس گروہ میں راجہ غضنفر، میر مقبول، شوکت حیات، ممتاز دولتانہ اور نواب ممدوٹ وغیرہ شامل تھے اور اس گروہ کا یہ مسلک ''حبِ علی کا نہیں بلکہ بغضِ معاویہ'' کا آئینہ دار تھا۔ ورنہ وہ پہلے کہاں سوئے ہوئے تھے(۲۶)۔ پنجاب کے عام لوگ بھی تحریکِ پاکستان کی وجہ سے مسلم لیگ کے ہمنوا ہو رہے تھے۔ اب سکندر جناح معاہدے کی مختلف تاویلیں ہونے لگی تھیں۔ خضر کا کہنا تھا کہ وہ بیک وقت مسلم لیگ اور یونینسٹ پارٹی کے ممبر ہیں۔ ممدوٹ اور دولتانہ کا فرمانا تھا کہ سکندر کی مسلم لیگ میں شمولیت کے بعد یونینسٹ پارٹی خود بخود ختم ہوگئی ہے۔ اس متضاد بیان اور انتشاری کیفیت کو دور کرنے کے لیے راجہ غضنفر نے ۲۰ مارچ ۱۹۴۴ء کو پیر کے روز پنجاب اسمبلی کے ٹی روم میں ایک اجلاس کا اہتمام کیا، جس میں مسلم لیگ کے اہم اکابرین شریک ہوئے۔ اجلاس کوئی دو گھنٹے جاری رہا۔ اجلاس میں جناح صاحب نے کہا کہ ''مسلم لیگ کا کوئی رکن کسی دوسری جماعت کا رکن نہیں ہوسکتا اور یہ بالکل غلط ہے کہ سکندر جناح معاہدہ کے تحت یونینسٹ پارٹی کے ارکان کو دونوں پارٹیوں کی رکنیت بحال رکھنے کا حق حاصل ہے(۲۷)۔ خضر حیات کسی صورت میں محمد علی جناح کی ہدایت پر عمل کرنے کو تیار نہیں تھے، جبکہ جناح یہ سمجھنے لگے تھے کہ پنجاب میں مسلم لیگ کی حکومت ہے اور سکندر جناح معاہدے کے تحت خضر کو میرے حکم کی پاسداری کرنی چاہیے۔ خضر کا دعویٰ تھا کہ پنجاب کی حکومت یونینسٹ لیگ کولیشن کے بجائے مسلمانوں، ہندوؤں اور سکھوں کی کولیشن ہے۔ یہی بات کبھی راجہ غضنفر نے کہی تھی جب وہ سکندر کے نفسِ ناطقہ تھے۔ راجہ صاحب نے فرمایا تھا کہ اوّل یہ کہ سکندر جناح معاہدہ اور اس کی عملداری بدستور قائم ہے۔ دوم، پنجاب اسمبلی کے مسلمان ممبر جو یونینسٹ پارٹی کے ٹکٹ پر منتخب ہوئے تھے، صرف وہ سکندر

جناح معاہدہ کی وجہ سے مسلم لیگ کے ممبر بنے تھے۔ سوم، یہ کہ پنجاب اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی موجود ہے، جس کے لیڈر سر سکندر ہیں۔ چہارم، یہ کہ یونینسٹ وزارت اس کولیشن کا نام ہے جو مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی نے چوہدری چھوٹو رام، راجہ نریندر ناتھ اور سنگھ مجیٹھیا کی جماعتوں سے مل کر قائم کی ہے۔(۲۸)

سوال یہ ہے کہ سر سکندر کے انتقال کے بعد راجہ صاحب نے ان مسلمہ اور مصدقہ حقائق سے کیوں روگردانی اختیار کی اور کیوں ان سے انکار کیا۔ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ سکندر حیات کے انتقال کے بعد راجہ صاحب مسلم لیگ کے بڑے علمبردار، مسلمانوں کے جداگانہ حقوق کے عظیم محافظ اور تحریکِ پاکستان کے نامور مجاہد بن کر میدان میں کود ے تھے، تو اُن کی زبان پر یہ تین نعرے تھے:

الف) سکندر جناح معاہدے کا کوئی وجود نہیں۔

ب) پنجاب اسمبلی میں اب تک کوئی مسلم لیگ پارٹی نہیں بنائی گئی۔

ج) جب تک یونینسٹ پارٹی کو تحلیل نہیں کیا جاتا، اُس وقت تک پنجاب کے مسلمانوں کی نجات ممکن نہیں اور نہ ہی پاکستان حاصل کیا جاسکتا ہے۔(۲۹)

۲۰ سے ۲۷/اپریل ۱۹۴۴ء کے دوران خضر اور جناح کے درمیان وقفے وقفے سے ممدوٹ وِلا میں مذاکرات ہوئے۔ جناح یونینسٹ پارٹی کی چیدہ چیدہ مسلم شخصیات سے بھی ملے۔ ۲۱/اپریل کو جمعہ کا دن اور علامہ اقبال کی چھٹی برسی تھی۔ جناح نے بادشاہی مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کی اور مسجد کے پہلو میں واقع مزار اقبال پر فاتحہ پڑھی۔ اس وقت کسی بھی رہنما نے پریس کو کچھ نہ بتایا۔ لیکن اس اثنا میں خضر نے مذاکرات کے چند چیدہ پہلوؤں سے پردہ اٹھایا، جس سے پتا چلتا ہے کہ سکندر جناح معاہدہ کے متبادل محمد علی جناح کی رضامندی سے ایک نیا فارمولہ تیار کرلیا گیا تھا۔ جس کے اہم نکات درج ذیل تھے:(۳۰)

۱) پنجاب اسمبلی میں لیگ ہی بنیادی پارٹی ہوگی۔ اس کے اراکین کا یونینسٹ پارٹی یا کسی دوسری پارٹی سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔

۲) پنجاب مسلم لیگ دوسری پارٹیوں کے ساتھ مل کر یونینسٹ پارتی کے پروگرام ان قواعد وضوابط کے تحت جاری رکھے گی جو دراصل ۱۹۳۶ء میں طے کیے گئے تھے۔

۳) موجودہ اتحاد اپنا نام ''دی یونینسٹ کولیشن'' برقرار رکھے گا۔

۴) مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے ارکان کو اِن قواعد کے تحت کام کرنا ہوگا جو پہلے ہی وضع کیے جاچکے ہیں۔ البتہ وہ ضابطہ نمبر ۱۱ سے مستثنیٰ ہوں گے، جو سکندر جناح معاہدہ سے متعلق ہے۔ جس کی جگہ موجودہ معاہدہ کو حاصل ہوجائے گی۔

۵) مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے قائد کی حیثیت سے ملک خضر حیات اپنے مسلمان ساتھیوں میں سے اُن حضرات کو وزیر منتخب کریں گے جن پر انہیں اعتماد ہوگا۔

۶) مذکورہ معاہدہ کے بعد پنجاب صوبائی مسلم لیگ، مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کی سرگرمیوں سے متعلق کوئی مسئلہ نہ اٹھائے گی، جب تک کہ وہ اسمبلی پارٹی کے قائد سے اس کی پیشگی اجازت نہ لے لے، یا اسمبلی پارٹی ہی کے ذریعے سے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کرے۔

۲۲ سے ۲۴ ر اپریل تک اِس ڈرافٹ پر کافی سنجیدہ مذاکرات ہوئے۔لیکن دو دنوں کے وقفے کے بعد جب مذاکرات دوبارہ شروع ہوئے تو صاف نظر آ رہا تھا کہ مذاکرات تعطل کا شکار ہو جائیں گے۔سوال یہ ہے کہ آخر کیا مسئلہ تھا کہ مذاکرات کی کامیابی مشکوک ہوگئی تھی، جبکہ خضر جناح سے بھی زیادہ خواہشمند تھے کہ سمجھوتا ہو جائے۔اس کا جواب میاں امیرالدین نے بالکل ٹھیک دیا ہے کہ ''نواب ممدوٹ، ممتاز دولتانہ اور شوکت حیات جو قائداعظم کے نامہ بر تھے، جوشِ جوانی میں غیر ذمہ دارر ویہ اختیار کیے ہوئے تھے۔وہ جان بوجھ کر خضر حیات کو چڑا رہے تھے اور اسے مسلم لیگ سے دور ہٹا رہے تھے، میں بخلوص خاطر محسوس کرتا ہوں کہ قائداعظم اور خضر حیات کے مابین جو فاصلے حائل ہوئے، اِن کا باعث یہ تینوں تھے، خضر حیات کے ذہنی مشیر سر الہ بخش ٹوانہ اور مولانا غلام رسول مہر (ممتاز صحافی و مورخ) بھی خضر حیات کو لیگ کے قریب نہیں ہونے دیتے تھے(۳۱)۔آئین ٹالبوٹ کے مطابق شوکت، دولتانہ اور ممدوٹ کے علاوہ لیگ کے جذباتی کارکن بھی جناح کو یہی مشورہ دے رہے تھے کہ یونینسٹوں سے ناتہ توڑ لیں جو محض انگریزوں کے پٹھو ہیں۔اس صورتحال کو دیکھ کر محمد علی جناح اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ تحریکِ پاکستان کی کامیابی کے لیے مسلم لیگ کو متحدہ ہندوستان کی حامی یونینسٹ پارٹی کے شکنجے سے آزاد کرانے کا وقت آ گیا ہے اور مسلم لیگ اسمبلی پارٹی حزبِ اختلاف کے طور پر بھی تحریکِ پاکستان کے حق میں موثر اور کامیاب پروپیگنڈا کر سکتی ہے۔(۳۲)

۲۷ر اپریل ۱۹۴۴ء کو محمد علی جناح نے سکندر جناح معاہدہ کی شرائط کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے خضر حیات کے سامنے ایک خط کے ذریعے حسبِ ذیل تین شرائط رکھیں۔(۳۳)

اول: پنجاب اسمبلی میں مسلم لیگ کا ہر ممبر اپنی وفاداری یونینسٹ پارٹی یا کسی دوسری پارٹی کے بجائے لازماً صرف مسلم لیگ سے لازماً ظاہر کرے۔

دوم: کولیشن (مخلوط) کا موجودہ لیبل بنام ''یونینسٹ وزارت'' فوراً ختم کر دیا جائے۔

سوم: مجوزہ کولیشن کو مسلم لیگ کولیشن وزارت کہا جائے۔

اِن شرائط سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ محمد علی جناح نے اچانک ہی اس بندوبست پر کیوں اعتراض کرنا شروع کر دیا جو ۱۹۳۷ء سے چلا آ رہا تھا۔سکندر کو اس طریق کار کو اپنانے پر چیلنج نہ کیا گیا، جبکہ خضر حیات پر ''دو کشتیوں کا سوار'' ہونے کا الزام لگایا گیا۔واضح رہے کہ سیاسی لیبلوں کی اہمیت ان کے نظریات کے باعث ہوتی ہے، جو اِن لیبلوں کے پس منظر میں پنہاں ہوتے ہیں۔یونینسٹ پارٹی اور لیگ کی کشمکش کے پیچھے بھی اِسی طرح کا نظریاتی تصادم موجود تھا۔یہ دونوں جماعتیں

پنجاب اور یہاں کے باسیوں کے بارے میں متصادم ومتضاد نظریات رکھتی تھیں۔مسلم لیگ کا نظریہ تھا کہ سیاسی شناخت کا بنیادی ذریعہ مذہب ہے جبکہ یونینسٹ پارٹی مخلوط ثقافت اور فرقہ وارنہ ہم آہنگی پر یقین نہیں رکھتی تھی۔تقسیم کی قرارداد (۱۹۴۰ء) کی منظوری کے بعد سکندر جناح معاہدہ کی تشریح پر اختلاف اور اس کا خاتمہ ناگزیر تھا۔محمد جناح نے ۱۹۴۴ء کی ابتدا تک مناسب موقع کا انتظار کیا۔کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یونینسٹ کے ساتھ اختلاف کا جدوجہد پاکستان پر مثبت اثر پڑے گا۔اس لیے محمد علی جناح نے رائج بندوبست پر اعتراض کرتے ہوئے اپنی شرائط پیش کیں۔

۲۷/اپریل کو مذاکرات کی ناکامی کے بعد سخت جان خضر ٹوانہ نے ایک تفصیلی بیان میں اپنے نکتہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ''سکندر جناح معاہدہ سے روگردانی ایمان سے منہ موڑ لینے کے مترادف ہے اور میں جناح کے وہ مطالبات تسلیم نہیں کر سکتا جن میں صوبائی معاملات اور سکندر جناح معاہدہ کے تحت حکومتی پارٹی کے اندرونی طریقِ کار میں مسلم لیگ کی مرکزی تنظیم کی طرف سے مداخلت کی بات کی گئی ہے۔کیونکہ وہ سب کچھ اس جمہوری اصول کی خلاف ورزی ہوگی،جس کے تحت رائے ہندگان اور اراکینِ اسمبلی کی خواہشات کا احترام کرنا لازمی قرار دیا گیا ہے۔مختلف قومیتوں کا اختلاف تباہ کن ثابت ہوسکتا ہے۔مسلمانوں اور غیر مسلموں کے اختلاف اور نفرت کو اگر ہوا دی گئی تو اس کا نتیجہ قتل وغارت گری کے سوا کچھ نہیں نکلے گا اور اس کا اثر مسلم اقلیتی صوبوں پر بھی پڑے گا۔علاوہ ازیں اِن پنجابی سپاہیوں کا،جو میدانِ جنگ میں لڑ رہے ہیں،ذہنی سکون غارت ہو جائے گا۔یہ وقت چھوٹے چھوٹے اختلافات اور جھگڑوں کا نہیں ہے بلکہ آپس میں مل جل کر رہنے کا ہے،تاکہ ہم سب مستقبل قریب کی آئینی جدوجہد میں حصہ لے سکیں۔'' (۳۴)

محمد علی جناح نے ۲۸ سے ۳۰/اپریل ۱۹۴۴ء کو سیالکوٹ میں پنجاب مسلم لیگ کانفرنس کے دوران خضر کے بیان کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ سکندر کے ساتھ معاہدہ میں مسلم لیگ کی طرف سے پنجاب کی سیاست میں عدم مداخلت کی کوئی یقین دہانی نہیں کرائی گئی تھی۔اس معاہدے کی رُو سے لیگ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جب چاہے،اسمبلی میں کولیشن کا خاتمہ کردے۔اپنی تقریر کے آخر میں انہوں نے کہا کہ خدا جب لوگوں کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو وہ انہیں اندھا اور بہرہ کر دیتا ہے اور وہ چھوکروں کی قیادت اور سرکردگی میں آجاتے ہیں۔(۳۵)

بلاشبہ سکندر جناح معاہدہ کے بارے میں خضر حیات کا موقف درست تھا اور محمد علی جناح کی شرائط معاہدہ کے منافی تھیں۔لیکن سیاست کے میدان میں داؤ پیچ استعمال ہوتے ہیں اور ان ہی سے سماجی جمود ٹوٹتا ہے اور سیاسی عمل آگے بڑھتا ہے۔اس لیے عملی سیاست میں اسے عموماً بددیانتی یا غداری نہیں کہا جاتا۔خضر کے اس طرزِ عمل کی وجہ سے محمد علی جناح نے غصے میں آکر ایک ماہ بعد ۲۷مئی ۱۹۴۴ء کو خضر کو لیگ سے خارج کر دیا(۳۶)۔اتفاق سے اپریل ۱۹۴۴ء میں ہی شوکت حیات کو سرکاری اختیارات کے ناجائز استعمال کے الزام میں وزارت سے برطرف کر دیا گیا تو لیگ نے شوکت کو ''لیگی شہید'' اور ''شوکتِ پنجاب'' بنا کر پیش کیا۔اس کے ساتھ ہی لیگ کی ہمدردیاں یونینسٹ پارٹی کے چیف وہپ احمد یار

دولتانہ کے بیٹے آکسفرڈ پلٹ ممتاز دولتانہ، نواب شاہنواز ممدوٹ کے بیٹے افتخار ممدوٹ کے ساتھ ہوگئیں۔ ان کی پشت پر راجہ غضنفر، میر مقبول محمود اور شیخ کرامت علی وغیرہ تھے جبکہ خضر سکندر حیات جناح معاہدہ پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے مسلم عوام سے کٹ گئے تھے۔ یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ لیگ سے خضر کی برطرفی اسی قبائلی جوڑ توڑ کا نتیجہ تھی، خضر سکندر حیات کی طرح ذہین، لچکدار اور شاطر نہیں تھا۔ مزاج کا اکھڑ قبائلی اور پکا مذہبی تھا۔ برطانوی سرکار سے وفاداری اسے ورثے میں ملی تھی۔ اس نے برطانوی سرکار کی سرپرستی میں یونینسٹ پارٹی کو اپنی جائے پناہ بنایا اور خم ٹھونک کر اپنے حریف قبیلے ہی کی نہیں بلکہ آل انڈیا مسلم لیگ کے مقابلے میں آ گیا۔ لیکن اس مقابلے میں لیگ کو حصولِ پاکستان کے حوالے سے اپنی خوف و لالچ (Stick and Carrot) کی پالیسی (۳۷) کی بدولت کامیابی اور خضر کی فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور مخلوط ثقافت کے قیام کی سعی کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

مراجع وحواشی

(۱) پرشاد، بنی، ڈاکٹر، India's Hindu-Muslim Question، ص ۶۷، لندن، ایلن اینڈ انوین ۱۹۴۶ء۔ عاشق حسین بٹالوی، اقبال کے آخری دو سال، ص ۴۶۶، لاہور، اقبال اکادمی، ۱۹۶۹ء

(۲) پہلے سالانہ اجلاس منعقدہ دسمبر ۱۹۰۷ء بمقام کراچی میں مسلم لیگ کی داخلہ فیس اور سالانہ چندہ رکنیت پچیس پچیس روپے مقرر کیا گیا تھا۔ تیسرے سالانہ اجلاس منعقدہ جنوری ۱۹۱۰ء بمقام دہلی میں ممبر شپ فیس ۲۵ روپے سے گھٹا کر ۲۰ روپے کر دی گئی اور یہ سہولت رکھی گئی کہ فیس سال میں چار اقساط میں ادا کی جا سکتی ہے۔ ماضی میں عائد کردہ ۲۵ روپے رجسٹریشن فیس بھی ختم کر دی گئی۔ دیکھیے بن حیدر، آزاد، ''تاریخ آل انڈیا مسلم لیگ: سرسید سے قائداعظم تک''، ص ۱۴۸، کراچی، فضلی سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، ۲۰۱۳ء

(۳) لیگ کے ۲۵ویں سالانہ اجلاس (۱۹۳۷ء) کی استقبالیہ کمیٹی کے چیئرمین امیر احمد خاں راجہ آف محمود آباد تھے۔ اجلاس کے موقع پر جلسہ لال باغ میں اور قائدین کی میٹنگیں محمود آباد ہاؤس میں ہوئیں۔

(۴) ذوالفقار، حسین، غلام، ڈاکٹر، پروفیسر، ''جدوجہدِ آزادی میں پنجاب کا کردار''، ص ۳۰۷، لاہور، ادارہ تحقیقاتِ پاکستان، دانشگاہ پنجاب، ۱۹۹۶ء

(۵) احمد، نور، سید، ''مارشل لا سے مارشل لا تک'' (۱۹۱۹۔۵۸ء)، ص ۱۹۰، لاہور، دارالکتاب ریٹی گن روڈ ۱۹۸۸ء

(۶) کاشمیری، شورش، ''بوئے گل نالہ دل دود چراغ محفل''، ص ۱۶۲، لاہور، مطبوعات چٹان، ۱۹۷۲ء

(۷) خلیق الزماں، چوہدری، ''شاہراہ پاکستان''، ص ۶۵۶، کراچی، انجمن اسلامیہ پاکستان، ۱۹۶۷ء

(۸) حیدر، افتخار، ملک، "Sikandar Hayat Khan: A Political Biography"، ص ۱۶۲، اسلام آباد، نیشنل کمیشن آن ہسٹاریکل کلچرل ریسرچ، ۱۹۸۵ء

(۹) بٹالوی، حسین، عارف، ''قائداعظم کی خدمت میں چند لمحے، قائداعظم میری نظر میں''، مرتبہ: ایس ایس انوار، ص ۳۵۲، لاہور، ۱۹۵۳ء

(۱۰) بٹالوی، حسین، عاشق، ڈاکٹر، ''اقبال کے آخری دو سال''، ص ۴۷۵، لاہور، اقبال اکادمی ۱۹۶۹ء

(۱۱) لینڈ، کوپ، ۱۹۳۶۔۱۹۴۷ء "Indian Politics"، ص ۱۸۳، لندن، آکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۴۳ء

(۱۲) حسین، عظیم، Main Fazl-i-Hussain: A Political Biography، ص ۳۷۱، بمبئی، لانگ مین گرین اینڈ کمپنی لمیٹڈ ۱۹۴۶ء

(۱۳) مون، پنڈرل، "Divide and Quit"، ص ۳۹،۱۷، لندن، چاٹو اینڈ ونڈوز، ۱۹۶۱ء

علی، عمران، "Punjab Politics in the Decade before Partition"، ص ۱۹، لاہور ساؤتھ ایشین انسٹی ٹیوٹ یونیورسٹی آف پنجاب، ۱۹۷۵ء

(۱۴) ایدی، ایم، اے، "Evolution of Muslim Political Thought in India"، ص ۱۰۱۔۱۰۲۔۱۶۲۔۱۶۵، نئی دہلی، ایس چاند اینڈ کمپنی، ۱۹۷۸ء

(۱۵) قائداعظم کے آباواجداد لوہانہ راجپوت تھے جو ساہیوال یا ملتان سے ہجرت کر کے گجرات کاٹھیاوار کی ریاست گونڈل کے گاؤں بڑی پنیلی میں جا بسے۔ تجارت اِن کا پیشہ تھا، اس لیے خواجہ کہلائے تھے۔ بعد میں یہ لفظ بگڑ کر خوجہ ہو گیا۔ آپ کے دادا پونجا میگھ جی گاندھی جی کی طرح ویش ہندو تھے اور انہوں نے ہندومت کو ترک کر کے آغا خانی مسلک اختیار کر لیا تھا۔ قائداعظم کے خاندان نے ۱۹۰۱ء میں دختر رحمت بائی کی شادی کے موقع پر اس سلسلۂ عقیدت کو منقطع کر کے سنی مسلک اختیار کیا۔ لیکن قائداعظم نے اپنے آپ کو ہمیشہ صرف مسلمان کہا۔ دیکھیے:

- عبدالرحمٰن، منشی، ''قائداعظم کا مذہب اور عقیدہ''، ص ۳ تا ۲۸، ملتان، کاروانِ ادب، ۱۹۸۶۔ نواب صدیق علی خاں، بے تیغ سپاہی، ص ۵۵، کراچی، الائنز بک کارپوریشن، ۱۹۷۱ء
- مرچنٹ، ایچ، لیاقت، "Jinnah: A Judicial Verdict"، ص ۸۳۔۸۴، کراچی، ایسٹ اینڈ ویسٹ پبلشنگ کمپنی، ۱۹۹۰ء
- مونسلے، لیونارڈ، "The Last days of the British Raj"، ص ۶۵۔۶۶، لندن، ویڈن فیلڈ نکلسن، ۱۹۶۱ء

قائداعظم کا پورا نام محمد علی جناح بھائی تھا۔ لیکن سادہ طبیعت کی وجہ سے آپ نے ''لنکنز ان'' کی کونسل کو یہ درخواست دی کہ میرے نام کے ساتھ جو بھائی کا لفظ ہے، اسے حذف کر دیا جائے۔ چنانچہ ۲۴/اپریل ۱۸۹۶ء کو کونسل کا اجلاس ہوا اور آپ کی خواہش پر بھائی کا لفظ حذف کر دیا گیا اور آپ کی بیرسٹری کی سند پر آپ کا نام ''محمد علی جناح'' لکھا گیا۔ آپ نے پہلی بار شیروانی، پاجامہ اور سیاہ سموری ٹوپی لکھنؤ اجلاس (۱۹۳۷ء) کے موقع پر استعمال کی۔ قائداعظم کا ٹائٹل مولانا مظہرالدین شیرکوٹی نے برصغیر کے کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے اپنے پندرہ روزہ میگزین ''الامان'' (دہلی) میں مارچ ۱۹۳۸ء کے شروع میں دیا۔ دسمبر ۱۹۳۸ء میں مسلم لیگ کے پٹنہ اجلاس کے موقع پر لاہور کے ایک زندہ دل اور قومی کاموں میں دلچسپی لینے والے نوجوان میاں فیروزالدین احمد نے قائداعظم محمد علی جناح ''زندہ باد'' کا نعرہ لگایا۔ ۱۲/اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے ایک قرارداد منظور کی کہ مسٹر محمد علی جناح کو تمام دستاویزات اور قانونی کاغذات پر قائداعظم لکھا جائے۔ دیکھیے:

- شمس الحسن، سید، ''صرف مسٹر جناح'' (ترجمہ: منیر احمد منیر) ص ۸۴۔۸۷، لاہور، آتش فشاں پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء
- اصفہانی، ابوالحسن، مرزا، ''قائداعظم جناح میری نظر میں''، ص ۵۱، کراچی، روٹا پرنٹ ایجنسی، ۱۹۶۸ء

(۱۶) اقبال، جاوید، ''زندہ رود: حیاتِ اقبال کا اختتامی دور''، ص ۶۲۷، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۴ء

(۱۷) ٹوانہ، حیات، خضر، "The 1937 Election and Sikander Jinnah Pact in the Punjab Past and Present"، ص ۲۷۴۔۲۷۵، پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ، جلد X-II، ۱۹۷۶ء

(۱۸) بٹالوی، حسین، عاشق، (محولہ کتاب) ص ۶۱۷ تا ۶۴۵

(۱۹) آئین ٹالبوٹ، ''پنجاب: غلامی سے آزادی تک'' (ترجمہ: پروفیسر طاہر کامران) ص ۱۵۰، لاہور تخلیقات، ۱۹۹۹ء

(۲۰) ایضاً ص ۱۵۳

(۲۱) آئین ٹالبوٹ، خضر حیات ٹوانہ (مترجم: پروفیسر طاہر کامران) ص۱۳۶، لاہور، فکشن ہاؤس، ۱۹۹۸ء

(۲۲) ۲۶ دسمبر ۱۹۴۲ء کو سکندر کے دو صاحبزادوں میجر شوکت حیات اور کیپٹن عظمت حیات کا دعوتِ ولیمہ اور دختر طاہرہ (اہلیہ مظہر علی خاں) کی رخصتی تھی۔ برطانیہ میں مقیم معروف لکھاری طارق علی آخرالذکر کے فرزند ہیں۔ دن کی تقریبات سے فارغ ہو کر جب رات کو سونے لگے تو شدید درد سے انتقال کر گئے۔

(۲۳) پنڈرل مون کی محولہ کتاب Divide and Quit ص۳۹

(۲۴) آئین ٹالبوٹ کی محولہ کتاب خضر حیات ٹوانہ، ص۱۴۴، فٹ نوٹ نمبر ۳۷

(۲۵) سول اینڈ ملٹری گزٹ، لاہور، ۹ مارچ ۱۹۴۳ء

(۲۶) ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کی محولہ کتاب، جدوجہد آزادی میں پنجاب کا کردار، ص۴۹۳

(۲۷) اس خبر کے شائع ہونے سے برصغیر کے مختلف حلقوں میں ایک اضطراب انگیز طوفان آ گیا۔ انٹرویوشین مہم، ''بیدار ملک یارانِ مکتب''، حصہ اوّل، ص۴۲۵، لاہور، پاکستان اسٹڈی سینٹر پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۸۶ء

(۲۸) سول اینڈ ملٹری گزٹ (لاہور) ۱۹/اگست ۱۹۴۱ء

(۲۹) بٹالوی، حسین، عاشق، ڈاکٹر، ''ہماری قومی جدوجہد''، ص۶۵۶، لاہور، البیان، ۱۹۶۹ء

(۳۰) آئین ٹالبوٹ کی محولہ کتاب خضر حیات ٹوانہ، ص۱۸۲، فٹ نوٹ نمبر ۳۳

(۳۱) امیرالدین، میاں، ''یاد ایام''، ص۳۷، لاہور کتب خانہ انجمن حمایت الاسلام، ۱۹۸۳ء

(۳۲) آئین ٹالبوٹ کی محولہ کتاب خضر حیات ٹوانہ، ص۱۸۲

(۳۳) ملک، علی، اکرام، "A Book of Readings on the History of Punjab" 1799-1947، ص۵۶۹، ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۸۵ء

(۳۴) خضر حیات ٹوانہ کا محولہ مضمون The 1937 Election and Sikander-Jinnah Pact، ص۳۸۰، مزید دیکھیے: آئین ٹالبوٹ کی محولہ کتاب خضر حیات ٹوانہ، ص۱۸۶

(۳۵) آئین ٹالبوٹ کی محولہ کتاب خضر حیات ٹوانہ، ص۱۸۷

(۳۶) ایضاً ص۱۸۸، مزید دیکھیے: سید نور احمد کی محولہ کتاب مارشل لا سے مارشل لا تک، ص۲۲۳ اور ۲۲۴

(۳۷) ہندو اکثریتی راج کا خوف اور اپنی حکومت کا لالچ